© rasailojaraid.com

نقد و نظر

چند معاشی مسائل اور اسلام

مصنف : سید یعقوب شاہ سابق آڈیٹر جنرل پاکستان

ناشر : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

صفحات : ۲۷۹ - قیمت مجلد آٹھ روپے

سید یعقوب شاہ صاحب کی اس کتاب کا چرچا میں نے بہت سُن رکھا تھا لیکن اتفاقات کچھ ایسے پیش آتے رہے کہ میں اس کا مطالعہ نہ کر سکا۔ اب میں نے یہ کتاب پورے غور و فکر سے پڑھی ہے۔ اس کتاب میں جو بنیادی سوال اٹھائے گئے ہیں - ان کا پہلی دفعہ اظہار ایک کانفرنس میں ہوا جو اسی سلسلہ میں غالباً ۱۹۵۹ کے اواخر میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ نے بلوائی تھی - اس وقت ادارہ کے ناظم پروفیسر شریف مرحوم تھے - متعدد علما کو دعوت دی گئی تھی اور شرکت کرنے والوں میں مجھے اپنے علاوہ تین علما کے نام یاد ہیں :

۱- جناب حضرت مولانا مودودی صاحب ۲- جناب پرویز صاحب

۳- اور مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی۔

جلسہ میں جناب یعقوب شاہ صاحب بھی موجود تھے اور وہی اس جلسہ کے محرک تھے - اس مجلس میں سید یعقوب شاہ صاحب نے یہ سوال اٹھایا کہ تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا جائے کہ تجارتی کاروبار چلانے کے لیے کیا مالی نظام رائج تھا - الربوا کی جو تعریف کی گئی ہے اس میں تو اس کا حل نہیں ملتا - آخر تجارت اور دیگر منفعت بخش کاروبار کو کس طریق سے فنانس کیا جاتا تھا - اس سوال کا جواب کسی عالم کے پاس نہ تھا۔ چنانچہ طے ہوا کہ اس مسئلہ کا تاریخی مطالعہ تفصیلی طور پر کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سوال کا پس منظر خود سیّد یعقوب شاہ صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں دیا ہے کہ جب وہ وظیفہ حسن خدمت سے عہدہ برآ ہونے والے تھے تو انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ ان کی پراویڈنٹ فنڈ کی کثیر رقم میں جو ملنے والی تھی، سود کا خاصا عنصر شامل ہے۔ کیا یہ رقم حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ انہوں نے علما کی طرف رجوع کیا۔ لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ اکثر و بیشتر علما نے یہ جواب دیا کہ یہ رقم حرام ہے لیکن دو نے اسے جائز قرار دیا۔ اتنی بڑی رقم کے جائز یا ناجائز ہونے کا سوال اٹھانا شاہ صاحب کی اخلاقی جرأت کی نشاندہی کرتا ہے۔

کتاب کے چودہ ابواب میں شاہ صاحب نے مختلف معاشی مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ شاہ صاحب کی علمی قابلیت پر تو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ وہ معدودے چند افسروں میں سے ہیں جو آج بھی پیرانہ سالی کے باوجود اپنے ذوق مطالعہ کو تسکین دینے کے لیے دیال سنگھ کالج کی لائبریری میں دیکھے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کی بنیادی ٹریننگ اکاؤنٹس کی ہے۔ جس کے وہ ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن یہی ٹریننگ اور اس میدان میں ان کی قابلیت ان کی علمی مشکلات کا پیش خیمہ بنی ہے۔ اکونٹس میں سوچ و فکر کم ہوتا ہے اور نقائص نکالنے پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ قواعد و ضوابط کی اگر کہیں پورے طور پر پابندی نہ ہوتی ہو تو اس پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا ہے۔ ان حالات کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا کہ کچھ ایسے خارجی اثرات بھی تھے جس کی وجہ سے ان پر عمل نہیں ہوا۔ یہ لوگ ناک کی لکیر کے پیچھے دیکھنے کے عادی ہیں اور وہ دیگر متعلقہ حقائق کا جائزہ اکثر کم لیتے ہیں۔ شاہ صاحب کی قابلیت ہی اس کتاب کی کمزوری ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۸، پیراگراف ۲۰ میں لکھتے ہیں،

"... مگر آج ہم قطعیت سے یہ کہنے سے قاصر ہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت عرب میں لفظ ربوا کن اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا تھا؟"

صورتِ حال یہ ہے کہ اس پر منوں نہیں بلکہ ٹنوں لٹریچر موجود ہے۔

لفظ ربو کی حقیقت : ربوا عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ اربیٰ فلان علیٰ فلانٍ۔ (فلاں شخص نے فلاں شخص کو زیادتی دی)۔ مذکورہ معنوں میں بھی ربوا کا لفظ قرآنِ مجید

© rasailojaraid.com

میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

وتری الارض ھامدۃً، فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج۔ (پ ۱۷، الحج ۲۲، ع ۱۴)

اور تو زمین سوکھی ہوئی دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم پانی برساتے ہیں تو تازہ ہوتی ہے اور ابھرتی ہے اور قسم قسم کی پُر رونق چیزیں اُگتی ہیں۔

نیز: ومن آیاتہ انک تری الارض خاشعۃ، فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت۔ (پارہ ۲۴، حٰم السجدہ ۴۱، ع ۵)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین سوکھی ہوئی دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم پانی برساتے ہیں تو تازہ ہوتی ہے اور ابھرتی ہے۔

یا مثلاً: ان تکون اُمّۃٌ ھی اربیٰ من امۃ۔ (پارہ ۱۴، النحل ۱۶، ع ۱۳)

تاکہ ایک امت دوسری امت سے زیادہ آگے ہو۔

اسی معنیٰ میں حدیثوں میں بھی ربوٰا کا لفظ استعمال ہوا ہے [1]۔ غرض ربوٰا کے لفظی معنیٰ تو زیادتی، بڑھوتری کے ہیں۔ لیکن معاشیات کی اصطلاح میں ربوٰا اس زائد رقم کا نام ہے جو قرض خواہ اپنے مقروض سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا ہے۔ چنانچہ مورخ طبری بیان کرتے ہیں کہ:

الربوٰ یعنی الزیادۃ التی لیزداد رب المال بسبب زیادتہ غریمہ فی الاجل وتاخیرہ دینہ علیہ۔ [2]

ربوٰا وہ زیادتی ہے جو سرمایہ دار اپنے مقروض کو مزید مہلت دے کر اپنے قرض کی وصولی میں تاخیر کرتا ہے۔

---

[1] من احیاء فقد اربیٰ .... الوثائق السیاسیہ۔ تالیف ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۱۲۸، نیز ۱۳۳۔ صبح الاعشیٰ قلقشندی، ج ۲، ص ۳۷۱۔

[2] تفسیر طبری، ج ۳، ص ۶۴۔ آیت: احل اللہ البیع وحرم الربوٰا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوبکر ابن العربی صاحب احکام القرآن لکھتے ہیں کہ "ربا ہر ایسی زیادتی کا نام ہے جس کے مقابلے میں مال کا عوض نہ ہو[۵۳]" اسی طرح امام رازی بیان کرتے ہیں کہ "مال پر زیادتی طلب کرنے کو ربوا کہتے ہیں[۵۴]" انگریزی کتابوں میں جو فقہ اسلامی سے متعلق لکھی گئی ہیں ربوا کا ترجمہ یوژری اور انٹرسٹ کیا گیا ہے۔

جاہلی عرب میں سودی لین دین: "عرب کے قدیم معاشی نظام" کے باب میں طائف، مکے اور مدینے میں سودی لین دین کے جو طریقے رائج تھے، ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ مختصراً چند امور یہاں دہرائے جاتے ہیں۔ ہوتا یہ تھا کہ "جب ایک شخص کے دوسرے پر ایک معین میعاد کے وعدے پر سو درہم واجب الادا ہوتے تو مدت کے گزرنے کے وقت اگر مقروض قرضہ ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا تو قرض خواہ مقروض سے کہتا تو اصل مال پر زیادتی کرے۔ میں مدت میں توسیع کر دوں گا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ قرض خواہ سو درہم کے دو سو درہم کر لیتا۔ اور جب دوسری مدت بھی گزر جاتی (اور مقروض میں رقم ادا کرنے کی سکت نہ ہوتی) تو قرض خواہ پھر ویسا ہی کرتا (یعنی اصل مال پر اور زیادہ کر دیتا۔ پھر بڑی مدت تک ایسا ہی ہوتا رہتا اور قرض خواہ ان سو درہموں کے بدلے کئی گناہ زیادہ لے لیتا تھا[۵۵]"

ایک طرف تو یہ غریب طبقہ تھا جو غیر منظم حالت میں تھا اور دوسری طرف مال دار سرمایہ دار طبقہ تھا جس نے سودی کاروبار کے لین دین کے لیے باقاعدہ شراکتی کمپنیاں بنائی تھیں[۵۶] کاشتکاروں کو بھی یہ لوگ سودی قرض دیا کرتے تھے۔ جب کھجور توڑنے کا زمانہ آتا تو کھجور والا کہتا کہ اگر تم اپنا پورا

---

[۵۳] ابن عربی، احکام القرآن، ج ۱، ص ۱۰۳ نیز ابن عربی، شرح صحیح الترمذی، ج ۵، ص ۲۰۶، الباب البیوع، مطبوعہ مصر۔

[۵۴] امام رازی، تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۵۸

[۵۵] امام رازی، تفسیر کبیر، ص ۲۶۰۔ آیت: لاتاکلوا الربوا اضعافاً

[۵۶] تفصیل کے لیے مقالہ ہذا کا باب تیسرا، ص ۶۵، مکہ کے اصل زر ملاحظہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق لے لوگے تو میرے بال بچوں کے لیے کچھ نہ رہے گا۔ اگر تم صرف نصف کھجور لو اور نصف میرے لیے چھوڑ دو تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے اور ادائی کے وقت پر اس سے زیادہ طلب کرتے۔ [۵۷]

کسان اور دوسرا غریب طبقہ قرض کے جنجال میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ "وہ لوگ ایک مدت ٹھہرا کر سود لیتے، پھر مدت اور رقم میں اور زیادتی کرتے چلے جاتے یہاں تک کہ مقروض کا سارا مال ایک تھوڑے سے قرض کے پیچھے تباہ و برباد ہو جاتا تھا" [۵۸]

علمی تحقیق میں یہ عام طریقہ رائج ہے کہ اگر کسی مضمون کے متعلق براہِ راست مواد نہ ملے تو پھر متعلقہ شواہد کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس سے مناسب نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ رسول کریمؐ کے زمانہ میں عربوں میں تجارت کا رواج عام تھا اور عرب قبائل لاکھوں کا مال لے کر دمشق عراق اور دیگر ممالک کو جاتے تھے۔ مکہ بین الاقوامی راستوں کے عین وسط میں واقع ہے۔ لہٰذا عرب میں تجارت وسیع پیمانے پر ہوتی تھی۔ یعنی جس میں مرد ہی نہیں عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔

قریشی تجارت کی ابتدا: "ہاشم پہلے شخص ہیں جنھوں نے قریش کے لیے سال میں دو سفر، جاڑے اور گرمی میں رائج کیے۔ چونکہ موسم سرما میں ملک شام میں سردی رہتی تھی۔ اس لیے سرما میں یمن کا سفر کرتے تھے اور موسم گرما میں شام کا سفر کرتے تھے [۵۹] اس طرح جو تجارتی منافع قریش کے سرمایہ دار حاصل کرتے تھے۔ اس منافع سے علاوہ اپنی ذات اور اپنے خاندان کے قبیلے کے ناداروں اور مفلسوں کی بھی خبر گیری کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اسی طرزِ عمل کا یہ نتیجہ تھا کہ قریش میں جو غیر مستطیع تھے ان کی مالی حالت بھی درست ہو گئی تھی۔ اسلام کا جس وقت ظہور ہوا۔ اس وقت مال میں، عزت میں، آبرو میں قریش کے برابر کم از کم حجاز میں کوئی دوسرا قبیلہ نہ تھا۔ قریش کے سرمایہ داروں کا اپنی قوم کے ناداروں کے ساتھ جو سلوک

---

۵۷ ملاحظہ ہو، تفسیر خازن، ص ۲۰۳، آیت: وذروا ما بقی من الربوا۔

۵۸ تفسیر بیضاوی، ج ۱، ص ۱۵۴، مطبوعہ نول کشور پریس۔

۵۹ تفسیر طبری الجزء الثلاثون، ص ۱۷۱، تفسیر سورۂ قریش۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر نے کہا تھا:

الخالطین فقیرهم بغنیهم حتی یکون فقیرهم کالکافی [۱۰]

یہ وہی ہیں جنھوں نے اپنے غریبوں کو امیروں سے ملایا۔ یہاں تک کہ ان کا مفلس بھی مثل خوش حال کے ہو گیا۔
مکہ والوں کی معاشی زندگی میں ان دو سفروں کی خاص اہمیت تھی، حتی کہ قرآن میں بھی رحلت الشتاء (سردیوں کا سفر)، والصیف (گرمیوں کا سفر) کا خاص طور پر سورۂ قریش میں تذکرہ ہے۔
ان ہی تجارتی سفروں کی بدولت انھیں معاشی مرفہ الحالی نصیب ہوئی۔ غرض "قریش قوم تاجر تھی[۱۱] خود لفظ "قریش" کے معنی تجارت اور کسب کرنے والے کے ہیں۔ کیونکہ وہ تجارتی کاروبار کرتے تھے اور اس کے لیے ملکوں کا سفر کرتے تھے[۱۲] یونانی مورخ اور جغرافیہ دان اسٹرابو کا بیان ہے کہ "ہر عرب یا تو تاجر ہے یا دلال ہے[۱۳]"

یہی وجہ ہے کہ مکہ کے مہاجرین جب مدینے پہنچے تو انھوں نے سب سے پہلے یہی سوال کیا کہ بازار کہاں ہے؟

بیوپار اور تجارتی کاروبار میں نہ صرف مرد بلکہ عورتوں کا بھی کافی حصہ تھا۔ چنانچہ ابوجہل کی ماں عطر کا کاروبار کرتی تھی۔ حضرت خدیجہ کا تجارتی کاروبار تو مشہور ہی ہے "خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی نہایت شریف تاجر بی بی تھیں۔ دوسرے لوگ ان کے مال کی تجارت کرتے تھے اور منافع میں سے وہ کچھ ان کو دے دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جب حضرت خدیجہؓ کو رسول اللہ کی راست گفتاری امانت اور نیک کرداری کا علم ہوا تو انھوں نے آپؐ کو بلا بھیجا اور درخواست کی کہ آپؐ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں۔ میں اب تک دوسرے تاجروں کو منافع میں سے جس قدر دیتی ہوں، اس سے زیادہ

---

[۱۰] تفسیر طبری، سورۂ قریش [۱۱] تاریخ طبری، ص ۱۲۲۷

[۱۲] تفسیر طبری سورۂ قریش نیز سیرۃ ابن ہشام، ص ۹۸، مطبوعہ مصر نیز کشاف زمخشری، الجزء الثانی، سورۃ القریش

[۱۳] لامنس: اسلام بلیفس اینڈ انسٹی ٹیوشنز، باب ۱، ص ۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوں گی اور اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دوں گی۔ آپؐ نے یہ تجویز منظور فرمالی اور ان کا مال لے کر روانہ ہو گئے۔[43] اور شام میں پہنچ کر رسول اللہؐ نے وہ سامان بیچ دیا۔ اور جو سامان خرید نا تھا خرید لیا۔ اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ آپؐ خدیجہ کے پاس آ گئے، انھوں نے اس مال کو جو شام سے خرید کر لائے تھے جب بیچا تو دو چند یا قریب دو چند کے نفع ہوا۔[44] ابوسفیان کی بیوی ہندہ شام کے کلبیوں (قبائل) میں اپنا مال تجارت فروخت کرتی تھی۔

الغرض مکّہ کے کاروانوں کو اگر دیکھا جائے تو ان کا پیمانہ کافی وسیع تھا۔ ایک مرتبہ تو ان میں اونٹوں کی تعداد دو ہزار پانچ سو تک جا پہنچی تھی۔ بالعموم قافلہ کے ساتھ آدمیوں کی تعداد تیس تا تین سو تک ہوتی تھی، جس میں تاجر، دلیل (رہبر) اور محافظ دستہ (بدرقہ) بھی ہوتا تھا۔ ۲ھ میں مکہ والوں کا مدینہ کی سرحد کے قریب سے جو قافلہ گزرا تھا، اس کے متعلق مورّخ طبری نے لکھا ہے کہ "ان قافلوں میں اُمیہ بن خلف اور قریش کے سو آدمی تھے اور دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے"[45]

بدر کے کارواں کو تمثیلاً پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے کسی اور کاروان کا تذکرہ نہیں ملتا، جس میں اس قدر سرمایہ لگایا گیا ہو۔ اس میں سب سے زیادہ ابو امیہ یعنی سعید بن العاص کے خاندان کا روپیہ لگا ہوا تھا۔ ان کے سرمایہ کے علاوہ اور حصہ داروں کا روپیہ بھی تھا۔ ان کے تیس ہزار دینار کے علاوہ اُمیہ کے دیگر گھرانوں کے (۱۰،۰۰۰) دس ہزار دینار لگائے گئے تھے۔ یہ اصل جو بدر کے کاروان میں لگایا گیا تھا وہ امیہ والوں کا تھا۔ خود ابوسفیان کا بیان ہے کہ "مکہ کا کوئی قریشی مرد اور عورت ایسا نہیں ہے کہ جس کے پاس نصف اوقیہ یا زیادہ مال ہو، اور اس نے ہمارے ساتھ روانہ نہ کر دیا ہو"[46]

مورّخ طبری نے ایک اور قافلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "قریش کا ایک قافلہ جس میں منقہ، چمڑے اور دوسرا تجارتی سامان تھا ان کے پاس سے گزرا۔"[47] نیز یہ لوگ چاندی سونے کی اینٹیں بھی سلیم

---

[43] تاریخ طبری، ص ۱۱۲۷ — نیز ابن سعد (ص ۸۲)
[44] ایضاً، ص ۱۱۲۸ — ایضاً
[45] تاریخ طبری، ص ۱۱۳۷ —
[46] ابن سعد الجزء الثانی، ص ۷
[47] تاریخ طبری، ص ۱۲۷۵ — ۲ھ کے واقعات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کانوں سے حاصل کرتے تھے اور بجر (کچا سونا) اور مٹی ملا ہوا سونا افریقہ سے حاصل کرتے۔ ابوسفیان بن حرب چاندی کے بڑے پیمانے پر تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ واقعۂ بدر کے بعد قریش نے شام کا راستہ ڈر کر ترک کر دیا تھا۔ اس لیے اس مرتبہ انھوں نے شام کے لیے عراق کا راستہ اختیار کیا۔ ان تاجروں میں ابوسفیان بن حرب شامل تھے۔ چاندی کی کثیر مقدار ان کے ساتھ تھی۔ یہی ان کا بڑا تجارتی سرمایہ تھا۔ انھوں نے فرات بن حیان کو راہبری کے لیے اپنے ساتھ لیا جو قبیلہ بکر بن وائل کا آدمی تھا۔[19]

اس قافلہ کی کثیر دولت اور چاندی کا سامان جو صفوان بن اُمیہ نے تجارت کے لیے ساتھ کیا تھا اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ اس مال کا خمس ۱/۵ بیس ہزار تھا۔[20]

قافلہ کے ساتھ جو مالِ تجارت ہوتا اس کو وہ "لطیمہ" کہتے تھے۔ یعنی ایسا مالِ تجارت جس میں خوشبو کی چیزیں اور قیمتی مسالے ہوتے تھے۔ خوشبو کے سامان حجاز میں تو تیار نہ ہوتے تھے بلکہ جنوبی عرب[21] نیز ہندوستان اور افریقہ سے لائے جاتے۔ متمدن ممالک کے لوگ ان چیزوں کو عیش وعشرت کے لیے خریدتے تھے۔ ان کے سوا جڑی بوٹیاں جو دوا میں کام آتی تھیں۔ مثلاً سنا مکی وغیرہ تجارت میں داخل تھیں۔ عموماً ایسی چیزیں زیادہ ہوتی تھیں جو حجم میں تو چھوٹی ہوتیں لیکن جن کے دام زیادہ ہوتے تھے۔ عرب کے یہ کاروانی قافلے یمن کے ساحل سے ہندوستان کی پیداوار، چین کا ریشم اور عدن کے قیمتی کپڑے جو عدنی کپڑوں کے نام سے مشہور تھے لے جاتے۔ ماسوا اس کے ایسا سونا جس میں ابھی مٹی ملی ہوتی اور ہاتھی دانت کی چیزیں افریقہ سے درآمد کرتے تھے۔ افریقہ سے ہی مکہ والے اپنے غلام، خدمت گار، مزدور اور کرایہ کے سپاہی جن کو احابیش حبشہ کہا جاتا تھا لے جاتے۔ مصر اور شام میں قریشی تاجر تعیشات کی چیزیں درآمد کرتے تھے۔ مثلاً بحیرۂ روم کی صنعتی پیداوار، خاص کر سوتی کپڑے، ریشم، مخمل اور دیگر ملبوسات جو خوش نما ارغوانی

---

۱۹ تاریخ طبری، ص ۱۳۷۴، ۳ھ کے واقعات

۲۰ ایضاً، ص ۱۳۷۵

۲۱ جنوبی عرب خاص کر یمن کا عطر شہرۂ آفاق تھا حتیٰ کہ انگلستان کے شاعر ملٹن نے بھی اپنی نظم (PARADISE LOST) میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رنگ میں رنگے ہوتے، بصریٰ اور شام سے ہتھیار، غلہ، اناج۔ تیل جس کو بدوی پسند کرتے لاتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اونٹوں کے یہ کاروانی قافلے قدرتاً سست رفتار ہوتے تھے لیکن جو اشیا ان کے ساتھ ہوتیں وہ بھی تو چمڑے، دھاتیں، خوشبودار لکڑیاں، کپڑے ہی جیسی چیزیں ہوتی تھیں۔ طول مسافت یا درازیٔ مدت کی وجہ سے ان کے خراب ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔ مصارف کی مدات زیادہ تر یہ ہوتی تھیں کہ جانوروں کے خریدنے پر کچھ خرچ ہوتا تھا، کچھ محافظ دستوں کا خرچ ادا کرنا پڑتا تھا۔ نیز قبائل کے شیوخ کو تحفہ تحائف کی رسم میں کچھ دینا پڑتا تھا۔ لیکن پھر بھی ان کی معاشی تنظیم اس قسم کی تھی کہ عموماً صد فی صد نفع ہونا تھا تو چنداں تعجب نہ تھا۔ چنانچہ اربابِ تصنیف جو باتیں اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں ان کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ مثلاً بدر کے مشہور قافلے کے متعلق لکھتے ہیں کہ ہر ایک دینار کے بدلے ایک دینار نفع حاصل ہوا تھا۔ دو سال بعد رسول کریمؐ کے صحابہ کرامؓ نے اس میدان میں قدم رکھا تو انھیں بھی ایک درہم کے بدلے ایک درہم نفع حاصل ہوا۔ یعنی صد فی صد نفع حاصل ہوا[۵۲]

تجارتی معاہدے : مکہ کی معاشی ترقی میں ہاشم سردارِ قریش کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ہاشم ہی نے ان کے اسبابِ معیشت کی تنظیم کی اور قریش کے لیے تجارتی معاہدے حاصل کیے۔ اس طرح قریش کی معاشی ترقی خصوصاً تجارتِ خارجہ کے لیے دروازے کھل گئے اور وہ تجارت کی بدولت مالا مال ہو گئے۔

جس وقت ہاشم بن عبد مناف[۵۳] کا انتقال ہوا تو قریش کو بڑا غم ہوا۔ وہ بے چین ہو گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیگر عرب تجارت میں ان پر غالب آ جائیں۔ چنانچہ اسی لیے عبد شمس حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس گئے اور اس کے اور اپنے درمیان معاہدہ کی تجدید کی۔ اور نوفل عراق گئے اور کسریٰ (شاہِ ایران) سے ایک معاہدہ کیا[۵۴] اور مطلب نے یمن کے قبائلی سرداروں سے معاہدے کیے۔ کہتے ہیں کہ قیصرِ روم

---

۵۲ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، عنوان مکہ

۵۳ ہاشم کا انتقال تقریباً ۵۱۰ء میں ہوا۔

۵۴ تاریخ یعقوبی، ص ۲۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی نے نجاشی کے نام سفارشی خط دیا تھا اسے دیکھ کر نجاشی نے ان لوگوں کو اپنے علاقے میں تجارت کے لیے آمد و رفت کا عام پروانہ عطا کیا تھا۔ چنانچہ مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ ہاشم نے قیصر سے قریش کے لیے یہ عہد لیا تھا کہ امن و امان اور حفاظت کے ساتھ سفر کر سکیں۔ سڑکوں اور راستوں پر سے اپنا مال و اسباب لے کر گزریں تو کرایہ اور محصول نہ دینا پڑے۔ قیصر نے یہ اجازت نامہ لکھ دیا اور نجاشی (فرمانروائے حبشہ) کو بھی لکھا کہ قریش کو اپنے ملک میں داخل ہونے دے۔ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے۔ اور اسی لیے ان ممالک میں سفر کرنے کی انھیں ضرورت لاحق تھی [۲۵]

ہاشم اور پھر ان کے بھائی عبد شمس، مطلب اور نوفل کے قریش بڑے ہی ممنونِ احسان تھے۔ ان کو اصحاب ایلاف (معاہدۂ امن برائے تجارت کرنے والے) کے خطاب سے موسوم کرتے تھے۔ چنانچہ محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) اپنی کتاب المحبر میں لکھتے ہیں کہ "ایلاف" معاہدوں کو کہتے ہیں اور اصحاب الایلاف (معاہدہ امن برائے تجارت کرنے والے) عبد مناف بن قصی کے بیٹے تھے۔ جن کے نام ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل ہیں۔ ہاشم کی منڈی (متجر) شام میں تھی اور بمقام غزہ (شام کا ایک مقام) انھوں نے انتقال کیا [۲۶]

غرض قریش مکہ سے یمن، حبشہ، مصر اور عراق، ایران تک تجارت کے لیے سفر کرتے تھے۔ یہ تمام سفر اونٹوں ہی پر ہوتا تھا۔ البتہ حبشہ کو یمن سے کشتیوں میں جاتے تھے۔ ان قریشیوں کی اولوالعزمی دکھانے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی ایک تجارتی منڈی حلب تھی جو کہ شمالی سرے پر واقع ہے۔ اور مکہ جو کہ جزیرہ نمائے عرب کے وسط میں مغربی سمت پر واقع ہے، ان دونوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہی طویل ہے جتنا کہ روم اور لندن کے درمیان فاصلہ ہے۔ نیز عرب کا یہ راستہ بنجر اور اکثر پتھریلا ہے

تجارتی مسلک (کمرشل پالیسی) : مکہ والوں کو اپنا قافلہ منزلِ مقصود تک لے جانے کے لیے

---

۲۵ طبقات ابنِ سعد، الجزء الاول، ص ۴۵

۲۶ کتاب المحبر، ص ۱۶۳، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف قبیلوں کے سرداروں سے معاہدۂ امن کرنا پڑتا تھا۔ ورنہ قتل و غارت اور لوٹ کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس لیے مکّہ والے اپنی تجارت گاہوں کے راستہ پر جو قبیلے آباد تھے ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی کوشش کرتے۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے اور تحفہ تحائف سے اُن کو خوش رکھتے۔ قبیلہ غفار کے ایک شخص حضرت ابوذر غفاریؓ جب اسلام لے آئے تو مشرکینِ مکّہ ان پر ٹوٹ پڑے۔

ابوذر ہی سے ایک حدیث اس قسم کی مروی ہے جس سے یہ پتا چل جاتا ہے کہ قبیلۂ غفار شام جانے کے راستہ پر آباد تھا۔ عباس نے کہا "تمہارے تاجروں کے شام جانے کا راستہ اسی طرف ہے، پس انھوں نے ابوذر کو چھوڑ دیا[۱۲۷]

بخاری شریف میں اور بھی دو احادیث ہیں، جن سے ان کی تجارتی پالیسی کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ سعد مسلمان ہو کر فتح مکّہ سے قبل مکّہ گئے تھے تو ابوجہل نے انھیں طواف سے روکنا چاہا تو سعد نے ابوجہل سے کہا "خدا کی قسم! اگر تو مجھے طواف سے روکے گا تو میں تیری شام کی تجارت کاٹ دوں گا[۱۲۸] اور تیرا مدینہ میں رُکنا میرے یہاں کے رُکنے سے زیادہ نقصان دہ ہے[۱۲۹]

لہٰذا ایسے نظام میں عقلیہ طور پر بھی اس امر کی ضرورت نہیں پڑتی کہ تجارتی نظام کیسے چلتا تھا۔ یہ کام بڑی بڑی کمپنیاں اور شراکت دار کیا کرتے تھے۔ جہاں تک عوام کے لیے خانگی ضروریات پورا کرنے کا تعلق ہے اور جس کی صورت اسلام سے پہلے ربوا کی تھی۔ وہ قرضے بیت المال سے مہیا ہوتے تھے اور کچھ صاحبِ حیثیت لوگوں کی زکوٰۃ، خیرات اور صدقات سے پورے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بیت المال سے انتظام تھا۔ چھوٹے تاجروں کو بڑے تاجر تین ماہ کے لیے بغیر سود کے مال دیتے تھے۔ چونکہ جلد بک جاتا تھا لہٰذا واپسی اصل میں دیر نہ لگتی تھی۔

---

[۱۲۷] بخاری پ ۱۵، ابوذر کے اسلام کا ذکر

[۱۲۸] بخاری پ ۱۴، باب اسلام میں نبوت کی علامتیں۔

[۱۲۹] بخاری پ ۱۶، کتاب المغازی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کے متعدد نظائر ملتے ہیں، کہ لوگوں کو سرکاری خزانہ سے پیداوار اور غیر پیداوار اغراض کے لیے قرضہ ملا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ عورتیں بھی بیت المال سے پیداوار یا دیگر اغراض کے لیے قرضہ لیا کرتی تھیں[۵۳] غرض خود اسلامی حکومت نے اپنی جانب سے قرض حسنہ دینے اور وصول کرنے کا انتظام کیا تھا اور کاروبار کے لیے جو انتظامی اخراجات لاحق ہوتے وہ خود حکومت برداشت کرتی تھی۔

آخر میں اس امر کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عرصہ دراز سے میں نے شاہ صاحب سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں ان کے تمام شبہات شہادتوں سے دور کر دوں گا۔ ۱۹۴۲ء میں میری نگرانی میں عثمانیہ یونیورسٹی میں "اسلام کے معاشی نظریے" کے عنوان سے ایک مقالہ تیار ہوا۔ یہ مقالہ میرے لائق شاگرد یوسف الدین نے میری اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی مشترکہ نگرانی میں لکھا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں انھیں اس پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی اور ۱۹۵۲ء میں یہ مقالہ دو ضخیم جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ میرے ریویو (Review) کا بہت زیادہ مواد اسی مقالہ سے حاصل کیا گیا ہے جو بہت مشکل سے مجھے حال ہی میں دستیاب ہو سکا ہے۔

۵۳۔ ملاحظہ ہو مبادلۂ دولت، باب ۵ میں بیت المال، ص ۵۲۲۔

© rasailojaraid.com